'اسلام' توسط واعتدال کا دین ہے! ایک شرعی مطالعہ

حافظ حسن مدنی*

موجودہ دور میں دنیا بھر میں تشدد وانتہا پسندی کے رجحانات بہ کثرت پھیلتے جا رہے ہیں، جبکہ اسلام کا شعار وسطیت اور میانہ روی ہے، یعنی انتہا پسندی سے گریز اور توازن واعتدال کی دعوت اور یہی اسلام کی مسلّمہ خصوصیت ہے۔ اس توازن واعتدال کو وَسَط کی شرعی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ذیل میں توازن واعتدال کی شرعی حیثیت واضح کرنے کے بعد قرآن وسنت سے عقائد واحکام میں اس کے مظاہر پیش کیے جائیں گے۔

وسطیّت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

① مشہور ماہر لغت ابن فارس[1] (م395ھ) وسط کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الواو والسين والطاء يدل على العدل، والنصف وأعدل الشيء أوسطه ووسطه-۲

"وسط عدل وانصاف کا مفہوم دیتا ہے۔ سب سے متوازن چیز وہ ہے جو سب سے زیادہ عدل اور میانہ روی پر قائم ہو۔"

② وَسْط سین پر جزم کے ساتھ 'درمیانی جگہ' کا مفہوم دیتا ہے، جبکہ وَسَط سین پر فتحہ کا مفہوم: 'بہترین، افضل، عدل پر قائم، دو انتہاؤں کے درمیان' کا ہے۔[3]

③ قرآن کریم میں وسط، وسطیٰ، اور اوسط کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جیسے:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ "اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین یا عدل پر قائم اُمت بنایا۔"

④ مولانا عبد الرحمٰن کیلانی (م1995ء) اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"امتِ وَسَط سے مراد ایسا اشرف اور اعلیٰ گروہ ہے جو عدل وانصاف کی روش پر قائم ہو اور افراط و تفریط، غلو اور تخفیف سے پاک ہو اور دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو۔"

⑤ اور مفسر قرآن مولانا حافظ صلاح الدین یوسف اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں:

"وسط کے لغوی معنیٰ تو درمیان کے ہیں لیکن یہ بہتر اور افضل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے یعنی جس طرح تمہیں بہتر قبلہ عطا کیا گیا، اسی طرح تمہیں سب سے افضل امت بھی بنایا گیا اور مقصد اس کا یہ ہے کہ تم لوگوں پر گواہی دو۔"

وسطیت کی نبوی تشریح:

⑥ اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری میں مروی ہے کہ روزِ قیامت سیدنا نوح کو بلا کر ان سے پیام رسالت پہنچانے

*اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

کے بارے میں پوچھا جائے گا، وہ اثبات میں جواب دیں گے، لیکن ان کی قوم اس دعوت کے پہنچنے کا انکار کر دے گی، پھر اللہ تعالیٰ سیدنا نوح سے گواہ لانے کا مطالبہ کریں گے:

فيقول: "محمّد وأمته، فيشهدون أنه قد بلغ." ﴿وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾، فذلك قوله:
﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ ۵
والوسط: العدل.[٦]

''تو نوح ؑ کہیں گے کہ محمد ﷺ اور آپ کی اُمّت میری گواہی دے گی کہ نوح نے پیغام پہنچا دیا۔ اور قرآن میں ہے کہ ''رسول تم پر گواہی دیں گے۔'' یہ مراد ہے اس آیت سے کہ ''اللہ تعالیٰ نے تمھیں اُمتِ وسط بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہی دو اور رسول تم پر گواہ ہو۔'' اور وسَط کا مطلب عدل ہے۔''

⑦ احادیثِ مبارکہ میں وسَط کا لفظ متعدد بار آیا ہے، جہاں وسط سے مراد 'صراطِ مستقیم' ہے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود ؓ سے مروی اس حدیث میں ہے:

خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ خَطًّا، ثُمَّ قَالَ: «هَذَا سَبِيلُ اللهِ»، ثُمَّ خطَّ خُطُوطًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ قَالَ: «هَذِهِ سُبُلٌ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ»، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِه﴾ ۷

''ہم نبی کریم کے پاس تھے کہ آپ نے ایک لائن کھینچی، پھر فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں بائیں لائنیں کھینچیں اور کہا کہ یہ راستے ہیں، ہر راستے کے سر پر ایک شیطان بیٹھا اس کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی کہ ''میرا راستہ سیدھا راستہ ہے، اس کی اتباع کرو اور (دیگر) راستوں کے پیچھے مت چلو، وہ تمھیں اللہ کے راستے سے دور کر دیں گے۔''

⑧ اس حدیث میں متعدد لائنوں کے درمیان جس خط کو کھینچا گیا، وہ صراطِ مستقیم تھا جو درمیان میں تھا، اور سیدنا جابر ؓ سے مروی حدیث میں اس کے لیے الخطّ الأوسط کا لفظ استعمال[8] ہوا ہے۔ یعنی صراطِ مستقیم افراط و تفریط اور شدت و تلیین کے مابین ایک راستہ ہے جس میں سراسر اعتدال ہے۔

⑨ اس کی مزید وضاحت سیدنا نواس ؓ بن سمعان سے مروی یہ حدیث کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

ضرب الله مثلا صراطًا مستقيمًا، وعلى كنفي الصراط سوران فيهما أبواب مفتحة، وعلى الأبواب ستور مرخاة، وعلى الصراط داع يدعو يقول: يا أيها الناس! اسلكوا الصراط جميعًا ولا تعوجوا، وداع يدعو على الصراط، فإذا أراد أحدكم فتح شيء من تلك الأبواب قال ويلك لا تفتحه فإنك إن تفتحه تلجه، فالصراط الإسلام والستور حدود الله، والأبواب المفتحة محارم الله، والداعي الذي على رأس الصراط كتاب الله، والداعي من فوقه واعظ الله يذكر في قلب كل مسلم»[٩]

''اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی مثال بیان کی ہے جس کے دونوں طرف دیواریں اور ان میں کھلے دروازے ہیں۔ ان پر پردے لٹکے ہوئے ہیں جبکہ اس راستے کے سرے پر ایک پکارنے والا ہے جو کہتا ہے کہ اس راستے پر آؤ، غلط

راستوں کا انتخاب مت کرو۔ اور ایک دوسرا داعی ہے جو راستے پر کھڑا پکار رہا ہے، جب کوئی ان دروزاوں سے پردہ ہٹانے کی کوشش کرتا ہے، تو وہ روکتا ہے کہ خبردار! اس پر مت جاؤ، اگر اُن پر چلے تو گر جاؤ گے۔ صراطِ مستقیم سے مراد اسلام ہے، پردے اللہ کی حدیں ہیں، کھلے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں، ممنوع کام ہیں اور صراطِ مستقیم کے سرے پر پکارنے والی اللہ کی کتاب ہے۔ اور دوسرے داعی سے مراد اللہ کی طرف سے ایک نصیحت کرنے والا (ضمیر) ہے جو ہر مسلمان کے دل کو یاد دہانی کراتا رہتا ہے۔"

⑩ 'اسلام' صراطِ مستقیم ہے، جیسا کہ سورۃ فاتحہ میں صراطِ مستقیم کو مغضوب علیہم: یہود اور ضالین: نصاریٰ دونوں سے جدا قرار دے کر متوسط و معتدل راستہ قرار دیا گیا ہے۔

⑪ اسلام ہر مقام پر توسط واعتدال کا داعی ہے، چنانچہ برکت بھی کھانے کے وسط میں اُترتی ہے۔ امام کو اپنے درمیان میں کرنا چاہیے۔ جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ فردوس ہے جو أوسط الجنّۃ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جھگڑا چھوڑنے والے کو وسطِ جنت میں گھر کی بشارت دی۔ اور زکوٰۃ میں درمیانہ مال ہی لینا چاہیے۔

وسطیت: ائمہ اسلاف کی نظر میں:

⑫ اسلامی عقائد کا جوہر بھی وسطیت یعنی عدل و توسط ہے، امام حسن بصری (م110ھ) لکھتے ہیں:

"دين الله وُضع فوق التقصير ودون الغلوّ"

"اللہ کا دین، نقص و کمی سے اونچا اور شدت وانتہا سے نیچے بنایا گیا ہے۔"

⑬ نامور تابعی فقیہ، امام عامر شعبی (م100ھ) لکھتے ہیں:

"أحب أهل بيت نبيك ولا تكن رافضيا، واعمل بالقرآن ولا تكن حروريا، واعلم أن ما أصابك من سيئة فمن نفسك ولا تكن قدريا، وأطع الإمام وإن كان عبدًا حبشيا ولا تكن خارجيا، وقِف عند الشبهات ولا تكن مرجيا، وأحب صالح بني هاشم ولا تكن خشبيا، وأحب من رأيته يعمل الخير وإن كان أخرم سنديا."

" اپنے نبی ﷺ کے اہل بیت سے محبت کر اور رافضی مت بن، قرآن پر عمل کر اور حروری نہ ہو جا، اور جان لے کہ جو بھی تجھے مشکل آتی ہے تو تیرے اپنے عمل کی بنا پر ہے، اور 'قدری' نہ بن۔ حاکم کی اطاعت کر اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اور خارجی مت بن۔ شکوک و شبہات کو چھوڑ دے اور مرجئی نہ ہو جا۔ بنو ہاشم میں سے نیک افراد سے محبت کر اور خشبی (وہ غالی رافضی جو امام معصوم کے بغیر لڑنے کے قائل نہیں) نہ ہو جا۔ اور ہر نیکوکار سے محبت کر، اگرچہ وہ ناقص اور عیب دار ہی کیوں نہ ہو۔"

⑭ شیخ الاسلام امام ابو العباس احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ ☐ (م728ھ) لکھتے ہیں:

فإن الفرقة الناجية أهل السنة والجماعة يؤمنون بذلك، كما يؤمنون بما أخبر الله به في كتابه من غير تحريف ولا تعطيل، ومن غير تكييف ولا تمثيل، بل هم الوسط في فرق الأمة، كما أن الأمة هي الوسط في الأمم فهم وسط في باب صفات الله تعالى بين أهل التعطيل الجهمية

وأهل التمثيل المشبهة. وهم وسط في باب أفعال الله بين الجبرية والقدرية وغيرهم، وفي باب وعيد الله بين المرجئة والوعيدية من القدرية وغيرهم، وفي باب أسماء الإيمان والدين بين الحرورية والمعتزلة وفي أصحاب رسول الله ﷺ بين الرافضة والخوارج"

"فرقہ ناجیہ اہل السنّہ والجماعہ ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں، جس طرح وہ ہر اس بات پر ایمان رکھتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے، بلا کسی تحریف و تعطیل اور کیفیت و تمثیل کے بلکہ وہ اُمت کے گروہوں میں وسط ہیں جیسا کہ یہ امت محمدیہ دیگر امتوں کی وسط ہے۔ اہل السنّہ اللہ کی صفات میں تعطیل و تمثیل کرنے والوں کے درمیان ہیں، اللہ کے افعال میں جبریہ و قدریہ کے مابین ہیں، اللہ کی وعید میں مرجئہ اور وعیدی قدریہ کے مابین ہیں، دین اور ایمان کے ناموں میں حروریہ اور معتزلہ کے درمیان ہیں، اور صحابہ کرام ؓ کے بارے میں رافضہ اور خوارج کے مابین ہیں۔"

⑮ آپ مزید اہل السنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"فهذه الفرقة الناجية أهل السنة والجماعة هي وسط في النحل كما أن ملة الإسلام وسط في الملل"

"فرقہ ناجیہ 'اہل السنّہ والجماعہ' اسی طرح ہی مسالک و مکاتبِ فکر کے وسط میں ہے، جس طرح ملت اسلام، دیگر ملتوں کے وسط میں ہے۔"

اسلام میں توازن واعتدال کے مظاہر:

① اسلام سراسر توازن واعتدال کو پروان چڑھاتا ہے، اور یہ توازن زندگی کے ہر پہلو میں نظر آتا ہے۔ اسلام میں انتہاپسندی کی کوئی گنجائش نہیں۔ چنانچہ یہ مشہور واقعہ اسی طرف رہنمائی کرتا ہے، جو سیدنا انسؓ بن مالک سے مروی ہے:

جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا فَقَالُوا وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ. قَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا. فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: «أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا أَمَا وَاللهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي». [۱۴]

"تین حضرات (سیدنا علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عثمان بن مظعون ؓ) نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے، جب اُنہیں حضور اکرم ﷺ کا عمل بتایا گیا تو گویا اُنہوں نے اپنی روز مرہ کی عبادت کو انتہائی کم کم تر سمجھا اور کہا کہ ہم کہاں اور نبی ﷺ کہاں!! آپ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کردی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نے عزم کیا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔ تیسرے نے کہا

کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پھر آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور ان سے پوچھا: کیا تم نے ہی یہ باتیں کہی ہیں؟ سن لو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ ربّ العالمین سے میں تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ میں تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں روزے رکھتا ہوں اور کبھی نفلی روزے چھوڑ دیتا ہوں۔ رات کی نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ میری سنت سے جس نے بے رغبتی کی، وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

۲ نبی کریم ﷺ نے مؤاخاتِ مدینہ میں سیدنا سلمانؓ اور سیدنا ابودرداؓ کے مابین بھائی چارہ قائم کردیا:

فَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ، فَرَأَى أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً، فَقَالَ لَهَا :مَا شَأْنُكِ؟ قَالَتْ: أَخُوكَ أَبُوالدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا، فَجَاءَ أَبُوالدَّرْدَاءِ، فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا، فَقَالَ :كُلْ فَإِنِّي صَائِمٌ، قَالَ: مَا أَنَا بِآكِلٍ حَتَّى تَأْكُلَ، فَأَكَلَ، فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ أَبُوالدَّرْدَاءِ يَقُومُ، فَقَالَ: نَمْ، فَنَامَ، ثُمَّ ذَهَبَ يَقُومُ، فَقَالَ: نَمْ، فَلَمَّا كَانَ آخِرُ اللَّيْلِ، قَالَ سَلْمَانُ: قُمِ الآنَ، قَالَ: فَصَلَّيَا، فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ: إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «صَدَقَ سَلْمَانُ»[۱۵]

"ایک مرتبہ سلمان فارسیؓ، ابودرداءؓ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے اور اُمّ درداء رضی اللہ عنہا کو بڑی خستہ حالت میں دیکھا اور پوچھا: کیا حال ہے؟ وہ بولیں تمہارے بھائی ابودرداء کو دنیا سے کوئی سروکار نہیں۔ پھر ابودرداء تشریف لائے تو سلمان □ نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ آپ کھایئے، میں روزے سے ہوں۔ سلمان فارسی □ بولے کہ میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا، جب تک آپ بھی نہ کھائیں۔ چنانچہ ابودرداء نے بھی کھایا، رات ہوئی تو ابودرداء □ نماز پڑھنے کی تیاری کرنے لگے۔ سلمان نے کہا کہ سوجایئے تو وہ سوگئے، (کچھ وقت گزرا) تو وہ پھر نماز تہجد کے لئے اُٹھے، تو سلمان نے کہا: سوجایئے (تو وہ سوگئے) پھر جب آخر رات ہوئی تو سلمانؓ نے کہا: اب اُٹھیے، بعدازاں دونوں نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد سلمان □ نے کہا کہ بلاشبہ تمہارے ربّ کا تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، پس سارے حق داروں کے حقوق ادا کرو۔ اس کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا ہے۔"

۳ مذکورہ بالا واقعات معاشرتی زندگی اور عبادات میں توازن واعتدال کا درس دیتے ہیں، عبادات میں توسط کی ایک اور اہم مثال یہ واقعہ بھی ہے، جسے سیدنا انس بن مالک نے روایت کیا ہے:

دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَإِذَا حَبْلٌ مَمْدُودٌ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ فَقَالَ: «مَا هٰذَا الْحَبْلُ؟» قَالُوا: هٰذَا حَبْلٌ لِزَيْنَبَ. فَإِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا، حُلُّوهُ لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ»[۱۶]

"نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ کی نظر ایک رسّی پر پڑی جو دوستونوں کے درمیان تنی ہوئی تھی۔

دریافت فرمایا کہ یہ رسّی کیسی ہے؟ لوگوں نے عرض کی کہ یہ حضرت زینبؓ نے باندھی ہے، جب وہ (نماز میں کھڑی کھڑی) تھک جاتی ہیں تو اس کا سہارا لے لیتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں یہ رسّی نہیں ہونی چاہیے، اسے کھول ڈالو۔ تم میں ہر شخص کو چاہیے کہ جب تک دل لگے نماز پڑھے، تھک جائے تو بیٹھ جائے۔"

اس حدیث پر امام بخاری ؒ نے یہ عنوان قائم کیا ہے: باب ما یُکرہ من التشدید فی العبادۃ یعنی "عبادت میں شدت اختیار کرنا ناپسندیدہ ہے۔"

④ ایک عورت ساری رات عبادت کرتی رہتی، نبی کریم ﷺ نے اسے، اس عمل سے روک دیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ

كَانَتْ عِنْدِي امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي أَسَدٍ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: « مَنْ هَذِهِ؟» قُلْتُ: فُلَانَةُ لَا تَنَامُ بِاللَّيْلِ، فَذُكِرَ مِنْ صَلَاتِهَا. فَقَالَ: «مَهْ، عَلَيْكُمْ مَا تُطِيقُونَ مِنَ الْأَعْمَالِ، فَإِنَّ اللهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا»."

"میرے پاس بنو اسد کی ایک عورت بیٹھی تھی۔ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو ان کے متعلق پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ فلاں خاتون ہیں جو رات بھر نہیں سوتیں۔ ان کی نماز کا آپ کے سامنے ذکر کیا گیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ بس تمہیں صرف اتنا ہی عمل کرنا چاہیے جتنے کی تم میں طاقت ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو (ثواب دینے سے) تھکتا ہی نہیں، تم ہی عمل کرتے کرتے تھک جاؤ گے۔"

⑤ خرچ کرنے میں بھی اسلام اسی توسط و اعتدال کا حکم دیتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ [18]

"اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ ان کا خرچ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔"

مفسر قرآن مولانا عبد السلام بھٹوی ؒ اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسراف کا اطلاق کسی کام میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے پر ہوتا ہے، مثلاً کھانے پینے یا لباس یا مکان یا شادی بیاہ وغیرہ پر بے دریغ خرچ کر دینا۔ ایک بلب کی ضرورت ہو تو زیادہ بلب لگا دینا، تھوڑے پانی سے کام چلتا ہو تو بے دریغ پانی بہا دینا۔ یا اپنی ہمت اور مقدور سے زیادہ خرچ کر دینا، پھر قرض اتارتے رہنا یا مانگنا شروع کر دینا۔ ایسی فضول خرچیوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ پھر اسراف کی ایک قسم تبذیر ہے، جس کا معنی ہے بلا ضرورت خرچ کرنا، مثلاً دن کو بھی گلی میں بلب جلائے رکھنا، یا پانی کی ٹونٹی کھلی چھوڑ دینا۔ اسی طرح ناجائز کاموں میں خرچ کرنا بھی تبذیر ہے، جیسے شراب، زنا، جوئے، گانے بجانے یا آتش بازی وغیرہ ایسے کاموں میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنا حرام ہے۔ اسراف کی ضد قتور ہے، جو قَتَرَ يَقْتُرُ قَتْرًا وَ قُتُوْرًا سے ہے۔ باب 'افعال' اور 'تفعیل' سے إِقْتَارٌ اور تَقْتِيْرٌ بھی اسی معنی میں آتا ہے، یعنی خرچ میں تنگی کرنا، شدید بخل کہ مقدور ہوتے ہوئے بھی ضرورت سے کم خرچ کرنا اور مال کو جوڑ جوڑ کر رکھنا، اپنی ذات اور اہل و عیال کی جائز ضروریات میں بھی بخل کرنا۔ اسراف اور تقتیر کے درمیان کی صفت کا نام اقتصاد (میانہ روی) ہے، یعنی اتنا خرچ کرنا جتنی ضرورت ہے اور جتنی ہمت ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے اسے بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ قَوَامٌ دو چیزوں کے عین درمیان کو کہتے ہیں۔ مزید دیکھیے سورۃ انعام، اعراف اور بنی اسرائیل۔"

مفسر قرآن مولانا عبدالرحمٰن کیلانی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اسراف اور بخل کے درمیان کی صفت کا نام اقتصاد یا قصد ہے اور اسی صفت کو اسلام نے پسند کیا ہے۔ اقتصاد یہ ہے کہ انسان اپنی جائز ضرورتوں پر خرچ اور اتنا ہی خرچ کرے جتنا ضرور ہو نہ کم نہ زیادہ۔ حتیٰ کہ اگر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہو تو بھی یہی بات مد نظر رکھنی چاہیے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "صدقہ وہی بہتر ہے جس کے بعد انسان خود محتاج نہ ہو جائے۔"[19] اور اعتدال کی روش اختیار کرنے کے بعد اگر کسی کے پاس مال بچ رہتا ہے تو اسے اپنے اقرباء اور دوسرے حاجت مندوں کی ضرورتوں پر خرچ کرنا چاہیے۔"

عقائد میں توسط و اعتدال:

اسلام ہر پہلو سے توازن و اعتدال کا درس دیتا ہے، یہ اعتدال اسلامی تعلیمات میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ عقائد، ارکانِ ایمان، عبادات و معاملات اور نکاح و طلاق میں اس کی دسیوں مثالیں موجود ہیں۔ عقائد و نظریات چونکہ انسانی اعمال کی اساس ہیں، اس لئے اسلامی عقائد میں یہ توازن و توسط، عملی رویّہ کی بنیاد ہے۔ چنانچہ ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمان مغضوب علیہم یعنی یہود اور ضالین یعنی نصاریٰ کے مابین ہیں۔ اور اسلام نام ہی صراطِ مستقیم کا ہے جو مختلف انتہائی راستوں کے مابین ہے۔ سیدنا عیسیٰ اور سیدہ مریم علیہا السلام کے بارے میں اسلامی عقیدہ جو مبنی بر حق اور قرآن کریم میں بیان ہوا ہے، اسے سیدنا جعفرؓ طیار سے سن کر نجاشی یہ کہہ اُٹھا تھا کہ اس میں کوئی افراط و تفریط نہیں اور یہی عین حق ہے۔ اسی طرح امام شعبی اور امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ کی زبانی مختلف فرقوں کے رجحانات کے مابین متوسط اعتقاد کا حامل اہل السنہ اور سلفیہ کو قرار دیا گیا ہے۔

① ماضی میں کبیرہ گناہ کے ارتکاب کے مسئلے پر مسلمانوں میں کئی فرقے بنے۔ معتزلہ اور خوارج کا موقف یہ تھا کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب خارج از اسلام ہے، اور آخرت میں وہ جہنمی ہے۔ مرجئہ اس کے بالمقابل اس عقیدہ کے قائل ہیں کہ کبیرہ گناہ کرنے والے کے ایمان میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ جبکہ سلفیہ اور اہل السنہ والجماعہ کا مشہور موقف 'دونوں کے مابین' ہے۔ چنانچہ عقائد کی مستند کتاب شرح عقیدہ طحاویہ میں ہے:

فَهٰؤُلَاءِ فِي طَرَفٍ، وَالْخَوَارِجُ فِي طَرَفٍ، فَإِنَّهُمْ يَقُولُونَ نُكَفِّرُ الْمُسْلِمَ بِكُلِّ ذَنْبٍ، أَوْ بِكُلِّ ذَنْبٍ كَبِيرٍ، وَكَذٰلِكَ الْمُعْتَزِلَةُ الَّذِينَ يَقُولُونَ يَحْبَطُ إِيمَانُهُ كُلُّهُ بِالْكَبِيرَةِ، فَلَا يَبْقَى مَعَهُ شَيْءٌ مِنَ الْإِيمَانِ. لَكِنَّ الْخَوَارِجَ يَقُولُونَ: يَخْرُجُ مِنَ الْإِيمَانِ وَيَدْخُلُ فِي الْكُفْرِ! وَالْمُعْتَزِلَةُ يَقُولُونَ: يَخْرُجُ مِنَ الْإِيمَانِ وَلَا يَدْخُلُ فِي الْكُفْرِ، وَهٰذِهِ الْمَنْزِلَةُ بَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ!! وَبِقَوْلِهِمْ بِخُرُوجِهِ مِنَ الْإِيمَانِ أَوْجَبُوا لَهُ الْخُلُودَ فِي النَّارِ!... أَنَّ أَهْلَ السُّنَّةِ مُتَّفِقُونَ كُلُّهُمْ عَلَى أَنَّ مُرْتَكِبَ الْكَبِيرَةِ لَا يَكْفُرُ كُفْرًا يَنْقُلُ عَنِ الْمِلَّةِ بِالْكُلِّيَّةِ، وَأَهْلُ السُّنَّةِ أَيْضًا مُتَّفِقُونَ عَلَى أَنَّهُ يَسْتَحِقُّ الْوَعِيدَ الْمُرَتَّبَ عَلَى ذٰلِكَ الذَّنْبِ، كَمَا وَرَدَتْ بِهِ النُّصُوصُ، لَا كَمَا يَقُولُهُ الْمُرْجِئَةُ مِنْ أَنَّهُ لَا يَضُرُّ مَعَ الْإِيمَانِ ذَنْبٌ، وَلَا يَنْفَعُ مَعَ الْكُفْرِ طَاعَةٌ! وَإِذَا اجْتَمَعَتْ نُصُوصُ الْوَعْدِ الَّتِي اسْتَدَلَّتْ بِهَا الْمُرْجِئَةُ،

وَنُصُوصُ الْوَعِيدِ التي استدلت بها الخوارج والمعتزلة، تبينت لَكَ فَسَادُ الْقَوْلَيْنِ!۲۰

''مرجئہ ایک انتہا پر ہیں اور خوارج دوسری انتہا پر۔ خوارج کا کہنا ہے کہ ہر گناہ یا کبیرہ گناہ کی بنا پر ہم مسلمان کی تکفیر کریں گے، اور ایسے ہی معتزلہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہر کبیرہ گناہ کے ساتھ ایمان ضائع ہو جاتا ہے اور ایمان کا کچھ بھی حصہ باقی نہیں رہتا۔ تاہم خوارج کہتے ہیں کہ وہ شخص اسلام سے نکل کر کفر میں داخل ہو گیا اور معتزلہ کہتے ہیں کہ ایمان سے تو نکل گیا لیکن کفر میں داخل ہونے کی بجائے منزلہ بین المنزلتین میں ہے۔ اور دونوں کا موقف ہے کہ ایمان سے نکل جانے کی بنا پر اب وہ آخرت میں دائمی جہنمی ہو گا۔ جبکہ اہل السنّہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتکبِ کبیرہ ایسا کافر نہیں جو کلی طور پر ملتِ اسلامیہ سے خارج ہو جائے اور اہل السنّہ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ گناہ کرنے کی بنا پر وہ اس وعید کا مستحق ہے جو احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ نہ کہ مرجئہ کی طرح کہ ایمان کے ساتھ گناہ کا کوئی نقصان ہی نہیں ہوتا اور کفر کے ساتھ طاعت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور جب آپ وعدۂ نجات کی نصوص کو جن سے مرجئہ استدلال کرتے ہیں اور وعید و سزا والی نصوص کو اکٹھا کریں گے تو دونوں کے موقفوں کی غلطی آپ پر واضح ہو جائے گی۔''

۲) معتزلہ اور خوارج کا یہ موقف کہ گناہ گار شخص لازمی جہنمی ہے، اس موقف سے بھی اہل السنّہ کو اتفاق نہیں اور وہ کہتے ہیں کہ گناہ نہ تو زندگی میں کسی مسلمان کے کافر ہونے کی دلیل ہیں اور نہ ہی یہ اس کے لازمی جہنم میں جانے کی وجہ ہے، اس سلسلے میں اہل السنّہ صحیح بخاری کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ

أَنَّ رَجُلًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ اسْمُهُ عَبْدَ اللهِ وَكَانَ يُلَقَّبُ حِمَارًا وَكَانَ يُضْحِكُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ، فَأُتِيَ بِهِ يَوْمًا فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: اللَّهُمَّ الْعَنْهُ مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تَلْعَنُوهُ فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ»[۲۱]

''نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص، جس کا نام عبداللہ تھا اور 'حمار' (گدھا) کے لقب سے پکارے جاتے تھے، وہ آنحضرت ﷺ کو ہنساتے تھے اور آنحضرت ﷺ نے انہیں شراب پینے پر مارا تھا تو انہیں ایک دن لایا گیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے حکم دیا اور انہیں مارا گیا۔ حاضرین میں ایک صاحب نے کہا: اللہ اس پر لعنت کرے! کتنی مرتبہ تجھے اس سزا کے لئے لایا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو واللہ، میں نے اس کے متعلق یہی جانا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔''

۳) اس واقعہ اور فرمان سے علم ہوا کہ گناہ گار شخص کے لئے لازمی نہیں کہ اس کو کافر قرار دیا اور اس پر لعنت کی جائے۔ ایسے ہی کسی گناہ گار کے جہنمی ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«كَانَ رَجُلَانِ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ مُتَوَاخِيَيْنِ فَكَانَ أَحَدُهُمَا يُذْنِبُ، وَالْآخَرُ مُجْتَهِدٌ فِي الْعِبَادَةِ، فَكَانَ لَا يَزَالُ الْمُجْتَهِدُ يَرَى الْآخَرَ عَلَى الذَّنْبِ، فَيَقُولُ: أَقْصِرْ، فَوَجَدَهُ يَوْمًا عَلَى ذَنْبٍ، فَقَالَ لَهُ: أَقْصِرْ، فَقَالَ :خَلِّنِي وَرَبِّي! أَبُعِثْتَ عَلَيَّ رَقِيبًا؟! فَقَالَ: وَاللهِ لَا يَغْفِرُ اللهُ لَكَ- أَوْ- لَا يُدْخِلُكَ اللهُ الْجَنَّةَ، فَقَبَضَ أَرْوَاحَهُمَا، فَاجْتَمَعَا عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ، فَقَالَ لِهَذَا الْمُجْتَهِدِ: أَكُنْتَ بِي

عَالِمًا؟ أَوْ كُنْتَ عَلَى مَا فِي يَدِي قَادِرًا؟ وَقَالَ لِلْمُذْنِبِ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِي، وَقَالَ لِلْآخَرِ: اذْهَبُوا بِهِ إِلَى النَّارِ». قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَوْبَقَتْ دُنْيَاهُ وَآخِرَتَهُ"[۲۲]!

"بنو اسرائیل میں دو آدمی آپس میں بھائی بنے ہوئے تھے۔ ایک گناہوں میں ملوث تھا جب کہ دوسرا عبادت میں کوشاں رہتا تھا۔ عبادت میں راغب جب بھی دوسرے کو گناہ میں دیکھتا تو اسے کہتا کہ باز آجا۔ آخر ایک دن اس نے دوسرے کو گناہ میں پایا تو اسے کہا کہ باز آجا۔ اس نے کہا: مجھے رہنے دے، میرا معاملہ میرے ربّ کے ساتھ ہے، کیا تو مجھ پر کوئی چوکیدار بنا کر بھیجا گیا ہے؟ تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تجھے معاف نہیں کرے گا یا تجھے جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ چنانچہ وہ دونوں فوت ہو گئے اور رب العالمین کے ہاں جمع ہوئے، تو اللہ نے عبادت میں کوشش کرنے والے سے فرمایا: "کیا تو میرے متعلق (زیادہ) جاننے والا تھا یا جو میرے ہاتھ میں ہے تجھے اس پر قدرت حاصل تھی؟ اور پھر گناہ گار سے فرمایا: جا میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جا۔ اور دوسرے کے متعلق فرمایا: اسے جہنم میں لے جاؤ۔" سیدنا ابوہریرہ☐ کہتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس نے ایسی بات کہہ دی جس نے اس کی دنیا اور آخرت تباہ کر کے رکھ دی۔"

سنن ابوداود کی اس حدیث پر شارح لکھتے ہیں:

"امر بالمعروف نہی عن المنکر کے مبارک اعمال میں مشغول افراد کو حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ نیز اُنھیں اپنے اعمالِ خیر پر کسی طرح دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کہ وہ یقیناً جنت میں چلے جائیں گے اور گنہگار مسلمانوں کے متعلق یہ وہم نہیں ہونا چاہیئے کہ اللہ اُنھیں معاف نہیں کرے گا یا وہ جنت میں نہیں جائیں گے۔ اللہ عزوجل کا میزانِ عدل بڑا دقیق اور عجیب ہے۔ اللہ عزوجل نے جو بھی فیصلے فرمائے اور جو فرمائے گا، وہ عدل ہی پر مبنی ہیں۔"

مذکورہ بالا احادیث سے استدلال کرنے کے بعد شارح عقیدہ طحاویہ محمد بن ابی العز حنفی (م 792ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنَّهُ مِنْ أَعْظَمِ الْبَغْيِ أَنْ يُشْهَدَ عَلَى مُعَيَّنٍ أَنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ لَهُ وَلَا يَرْحَمُهُ بَلْ يُخَلِّدُهُ فِي النَّارِ، فَإِنَّ هَذَا حُكْمُ الْكَافِرِ بَعْدَ الْمَوْتِ.[۲۳]

"سب سے بڑی سرکشی اور زیادتی یہ ہے کہ کسی متعین شخص کے بارے میں یہ گواہی صادر کر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو اسے معاف کریں گے اور نہ ہی رحم کریں گے، بلکہ اس کو ہمیشہ کے لئے جہنم رسید کر دیں گے۔ ایسا صرف کافر کے بارے میں، اُس کی موت کے بعد کہا جا سکتا ہے۔"

عقیدہ طحاویہ کے متن پر شیخ عبدالعزیز بن باز (م 1999ء) یوں حاشیہ لکھتے ہیں:

أن أهل السنة والجماعة لا يكفرون المسلم الموحد المؤمن بالله واليوم الأخر بذنب يرتكبه كالزنا وشرب الخمر والربا وعقوق الوالدين وأمثال ذلك ما لم يستحل ذلك فإن استحله كفر لكونه بذلك مكذباً لله ولرسوله خارجاً عن دينه أما إذا لم يستحل ذلك فإنه لا يكفر عند أهل السنة والجماعة بل يكون ضعيف الإيمان وله حكم ما تعاطاه من المعاصي في التفسيق وإقامة الحدود وغير ذلك"

"اہل السنہ والجماعہ کسی مسلم موحد اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے کو کبیرہ گناہ مثلاً زنا، شراب، والدین کی نافرمانی وغیرہ جیسے اُمور پر کافر قرار نہیں دیتے، جب تک وہ ان گناہوں کے حلال ہونے کا اعتقاد نہ رکھے۔ اگر وہ ان گناہوں کو جائز سمجھے گا، تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے صریح احکام کی تکذیب کی بنا پر وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر جائز نہ سمجھے تو اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا، بلکہ وہ ضعیف الایمان ہو گا، اور شریعتِ مطہرہ کے احکام کے مطابق اس پر گناہوں کی سزا اور حدود کا نفاذ کیا جائے گا۔"

اہل السنّہ عقائد کے ہر باب میں توسط واعتدال کے قائل وفاعل ہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو اسلام سے خارج تو نہیں کہا جائے گا، اور آخرت میں اس کے جہنمی ہونے کا فیصلہ بھی نہیں کیا جائے گا، تاہم اس کو ان سزاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا، جو شریعتِ اسلامیہ میں ذکر ہوئی ہیں۔ اور جب نبی کریم ﷺ نے بعض سنگین جرائم پر کفر کا اطلاق کیا ہے تو اس پر کفر کا اطلاق بھی کیا جائے گا، تاہم یہ کفر ملت سے خارج کرنے والا نہیں، بلکہ کفر عملی یا کفر حقیقی سے چھوٹا کفر (کفر دون کفر) کہلائے گا۔ اس موضوع کی دیگر بہت سی تفصیلات ہیں جو اسلامی عقائد کی مستند اور مرکزی کتب میں بیان ہوئی ہیں۔

④ مسلمانوں میں فقہی اختلافات کی بنا پر بہت سی فرقہ بندیاں پائی جاتی ہیں، اور اس بنا پر مختلف فقہی مکاتب کے ائمہ کو مطعون کیا جاتا ہے، لیکن اسلام کے مسلمہ عقائد میں سے یہ ہے کہ علمائے اسلام کی قدر افزائی کی جائے، دیگر امتوں کے بالمقابل مسلمانوں کے علما، ان کے بہترین لوگ ہیں جو انبیا کے وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ستاروں کی طرح اُمتِ محمدیہ کی راہِ راست پر رہنمائی کرنے والا بنایا ہے۔ یہ علمائے امت ہی ہیں جن کی محنتوں کے سبب متروکہ سنتوں کا احیا ہوتا ہے، وہی شریعتِ اسلامیہ کو واضح اور پہنچاتے ہیں، انہی کے ساتھ معاشرے میں اللہ کا دین قائم ہوتا ہے۔ امام طحاوی (م 321ھ) عقیدہ طحاویہ کے معروف متن میں لکھتے ہیں:

وَعُلَمَاءُ السَّلَفِ مِنَ السَّابِقِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ أَهْلِ الْخَبَرِ وَالْأَثَرِ، وَأَهْلِ الْفِقْهِ وَالنَّظَرِ لَا يُذْكَرُونَ إِلَّا بِالْجَمِيلِ، وَمَنْ ذَكَرَهُمْ بِسُوءٍ فَهُوَ عَلَى غَيْرِ السَّبِيلِ.

"گزر جانے والے ائمہ اسلاف، ان کے بعد احادیث وآثار کو بیان کرنے والے تابعین، فقہ اور شریعت میں غور وفکر کرنے والے اہل علم کا تذکرہ صرف اچھائی اور خوبی کے ساتھ ہی کیا جائے اور جو ان کا ذکر مذمت کے سیاق میں کرتا ہے، تو وہ مسلمانوں کے راستے پر نہیں ہے۔"

سب علمائے اسلاف ؒ کا اتفاق اس امر پر تھا کہ نبی کریم کی بہر طور اتباع واطاعت کی جائے، اور بالفرض کسی امام سے کوئی ایسا قول مل جائے جو بظاہر صحیح حدیث کے مخالف ہو تو ائمہ پر الزام دھرنے کی بجائے اس امر کا کوئی معقول عذر تلاش کیا جائے گا، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وَجِمَاعُ الْأَعْذَارِ ثَلَاثَةُ أَصْنَافٍ: أَحَدُهَا: عَدَمُ اعْتِقَادِهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَهُ. وَالثَّانِي: عَدَمُ اعْتِقَادِهِ أَنَّهُ أَرَادَ تِلْكَ الْمَسْأَلَةَ بِذَلِكَ الْقَوْلِ. وَالثَّالِثُ: اعْتِقَادُهُ أَنَّ ذَلِكَ الْحُكْمَ مَنْسُوخٌ. [۲۶]

"ایسے اعذار کا خلاصہ تین صورتوں میں پیش کیا جاسکتا ہے: یا تو ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بات سرے سے نبی کریم کی حدیث ہی نہیں، ثانیا: یا ان کا اعتقاد تھا کہ نبی کریم کے اس فرمان کی مراد یہ نہیں ہے۔ ثالثاً: یا ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ حدیث میں آنے والا حکم منسوخ ہے۔"

عقائد کی مستند کتاب شرح عقیدہ طحاویہ میں امام ابن ابی العز حنفی نے اس کی یوں تشریح کی:

فَلَهُمُ الْفَضْلُ عَلَيْنَا وَالْمِنَّةُ بِالسَّبْقِ، وَتَبْلِيغِ مَا أُرْسِلَ بِهِ الرَّسُولُ ﷺ إِلَيْنَا، وَإِيضَاحِ مَا كَانَ مِنْهُ يَخْفَى عَلَيْنَا، فَرَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ[۲۶]

"ائمہ اسلاف کے فضائل اور ہم پر احسانات بے شمار ہیں۔ اور انہوں نے رسولوں کے پیغام کو ہم تک پہنچایا اور اس میں پوشیدہ امور کی وضاحت کی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ان کو راضی فرمائے۔"

سعودی عرب کے ممتاز عالم شیخ صالح بن فوزان اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

فالعلماء على قسمين: القسم الأول: علماء الأثر، وهم المحدثون الذين اعتنوا بسنة النبي ﷺ وحفظوها وذبُّوا عنها، وقدموها للأمة صافية نقية، كما نطق بها رسول الله ﷺ، وأبعدوا عنها كل دخيل وكل كذب، فنحوا الأحاديث الموضوعة وبينوها وحاصروها، فهؤلاء يسمون: علماء الرواية.

القسم الثاني: وهم الفقهاء، وهم الذين استنبطوا الأحكام، من هذه الأدلة، وبينوا فقهها، وشرحوها وبينوها للناس، فهؤلاء يسمون: علماء الدراية.

ومنهم من جمع بين العلمين، ويسمون: فقهاء المحدثين، كالإمام أحمد، ومالك، والشافعي، والبخاري. وكل هؤلاء العلماء لهم فضل، والنبي ﷺ قال: "نضّر الله أمرأً سمع مقالتي فوعاها فأدّاها كما سمعها"[۲۷] فالنبي ﷺ دعا لهم ومدحهم. فالعلماء قاموا بما أوجب الله عليهم من حماية الدين والعقيدة، فبينوا الأحكام، والمواريث، والحلال والحرام، وبينوا أيضاً فقه الكتاب والسنة، فجعلوا للأمة ثروة عظيمة يستفاد منها ويقاس عليها ما يجد من مشاكل.[۲۸]

"علما کی دو قسمیں ہیں: علمائے اثر یعنی وہ محدثین کرام جنہوں نے سنتِ نبویہ پر توجہ صرف کی، اس کی حفاظت اور اس کا دفاع کیا اور اس سنتِ نبویہ کو اُمتِ محمدیہ کے لئے یوں صاف ستھرا بنا کر پیش کیا جیسے اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔ انہوں نے احادیث مبارکہ پر ہونے والی ہر مداخلت اور جھوٹ کو پرے دھکیل دیا۔ موضوع احادیث کو جدا

کر کے واضح کیا اور ان کو ہر طرف سے گھیر لیا، یہ علماء الروایہ کہلاتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے علا فقہاے عظام ہیں جنہوں نے شرعی دلائل سے احکام اخذ کئے، ان احکام کی فقہ کو واضح تر کیا، ان احکام کی تشریح کر کے لوگوں کے لئے ان کو کھول کر بیان کیا۔ تو یہ یہ علماء الدرایہ کہلائے۔ ان میں بعض ایسے علما بھی ہیں، جنہوں نے دونوں رجحانات کو جمع کیا اور فقہاے محدثین کہلائے، جیسا کہ امام احمد، امام مالک، امام شافعی اور امام بخاری رحمہم اللہ ہیں۔ یہ سب علما ہی بڑے فضائل والے ہیں۔"

⑤ ایسا ہی ایک اہم مسئلہ مخالف نکتہ نظر رکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا ہے جس میں مسلمانوں کے ہاں بہت سی افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ اسلام کے ایک معتدل و متوسط دین ہونے کے ناطے مسلّمہ اسلامی عقائد ہمیں بتاتے ہیں کہ فاسق وفاجر امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، چنانچہ امام ابوجعفر طحاوی (م ۳۲۱ھ) العقیدة الطحاویة کے متن میں لکھتے ہیں:

وَنَرَى الصَّلَاةَ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنْ أهل القبلة، وعلى من مات منهم[29]

"ہمارا موقف ہے کہ اہل قبلہ میں سے ہر نیک وفاجر کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور ہر نیک وفاجر کی نماز جنازہ پڑھنا بھی جائز ہے۔"

اس کی تشریح کرتے ہوئے امام ابن ابی العز حنفی رقم طراز ہیں:

وَمَنْ تَرَكَ الْجُمْعَةَ وَالْجَماعَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ الْفَاجِرِ، فَهُوَ مُبْتَدِعٌ عِنْدَ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ. وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُصَلِّيهَا وَلَا يُعِيدُهَا، فَإِنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ الْجُمْعَةَ وَالْجَماعَةَ خَلْفَ الْأَئِمَّةِ الْفُجَّارِ وَلَا يُعِيدُونَ...وَالْفَاسِقُ وَالْمُبْتَدِعُ صَلَاتُهُ فِي نَفْسِهَا صَحِيحَةٌ، فَإِذَا صَلَّى الْمَأْمُومُ خَلْفَهُ لَمْ تَبْطُلْ صَلَاتُهُ.[30]

"جس نے گناہ گار حاکم کے پیچھے جمعہ یا باجماعت نماز چھوڑ دی تو وہ اکثر علما کے نزدیک بدعتی ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ وہ اس کے پیچھے نماز پڑھے اور اس کو مت دہرائے۔ کیونکہ صحابہ کرام ؓ فاجر حکام کے پیچھے نماز پڑھ لیتے اور اس کو دہراتے نہیں تھے۔... گناہ گار اور بدعتی شخص کی نماز فی ذاتہ صحیح ہوتی ہے۔ چنانچہ جب کوئی مقتدی اس کے پیچھے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔"

پھر اس کے بعد امام ابن ابی العز نے ظالم وفاسق حجاج بن یوسف کے پیچھے سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا انس[31] کے، اور ولید بن عقبہ بن ابو معیط کے پیچھے سیدنا عبداللہ بن مسعود کے نماز پڑھنے سے استدلال کیا ہے۔ حالانکہ وہ شراب بھی پیا کرتا، ایک بار اس نے صبح کی نماز چار رکعات پڑھا دی۔

اور صحیح بخاری میں تو یہاں تک ہے کہ جب خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفان کا محاصرہ کر دیا گیا، تو باغیوں میں سے ایک

شخص نے نماز پڑھائی۔ تو ایک شخص نے سیدنا عثمان سے دریافت کیا: «إِنَّكَ إِمَامُ عَامَّةٍ، وَنَزَلَ بِكَ مَا نَرَى، وَيُصَلِّي لَنَا إِمَامُ فِتْنَةٍ، وَنَتَحَرَّجُ؟ »[32] آپ تو اصل خلیفہ ہیں، محصور کر دیے گئے اور یہ فتنہ پرور امام ہمیں نماز پڑھاتا ہے جو ہمیں برا لگتا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ ''نماز ان لوگوں کا بہترین عمل ہے، جب یہ نیک کام کریں تو ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ اور ان کی برائی کا ساتھ دینے سے پرہیز کرو۔''

اور نبی کریم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ

«يُصَلُّونَ لَكُمْ، فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ، وَإِنْ أَخْطَئُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ»۳۳

'' امام لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں۔ پس اگر امام نے ٹھیک نماز پڑھائی تو اس کا ثواب تمہیں ملے گا اور اگر غلطی کی تو بھی (تمہاری نماز کا) ثواب تم کو ملے گا اور غلطی کا وبال ان پر رہے گا۔''

الغرض فاسق وفاجر کے پیچھے نماز کا صحیح ہونا (۱) فرمان نبوی ﷺ، (۲) سیدنا عثمان کے فرمان، (۳) اور سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا انس اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود ☐ کے عمل سے ثابت ہے۔ یہ تینوں روایات صحیح بخاری میں ہیں۔ اور اس سلسلے میں انتہا پسندی کرتے ہوئے فاسق وفاجر کی امامت والی مسلمانوں کی جماعت کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔

مندرجہ بالا شرعی مسائل اور مسلمہ اسلامی عقائد سے واضح ہوا کہ اسلام میں انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور دین اسلام کا شعار توسط واعتدال ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے مسلمہ عقائد پر کاربند ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

حواشی وحوالہ جات

۱ ابوالحسین احمد بن فارس الرازی، عربی لغت کے امام تھے، بہترین اشعار کہے۔ (وفیات الاعیان: ۱/ ۱۱۸)
۲ معجم مقاییس اللغۃ از ابن فارس: کتاب الواو، باب 'الواو والسین': ۶/ ۱۰۸
۳ الصحاح از حماد بن اسمٰعیل جوہری: ۳/ ۱۱۶۷، لسان العرب از محمد بن مکرم ابن منظور افریقی: ۷/ ۴۳۰
۴ سورۃ البقرۃ: ۱۴۳
۵ سورۃ البقرۃ: ۱۴۳
۶ صحیح بخاری: کتاب التفسیر، باب وكذلك جعلناكم...: رقم ۴۴۸۷
۷ مسند احمد بن حنبل: رقم ۱۴۲ ۴، قال الارناؤط: اسنادہ حسن
۸ سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب اتباع سنۃ رسول اللہ ﷺ: رقم ۱۱
۹ مستدرک حاکم: کتاب الایمان: ۱/ ۱۴۵، رقم ۲۴۵، وقال: صحیح علی شرط مسلم، ووافقہ الذہبی اور شیخ شعیب ارناؤط نے مسند احمد میں اسے حسن کہا ہے۔ (۴/ ۱۸۳)
۱۰ الاعتصام از امام شاطبی: ۱/ ۲۴۵
۱۱ تہذیب تاریخ دمشق از عبد القادر بدران: ۷/ ۱۴
۱۲ شرح العقیدۃ الواسطیہ از امام ابن تیمیہ حرانی: ۱۲۴
۱۳ عقیدہ اہل السنہ والفرقۃ الناجیہ: ص ۱۰، ناشر: انصار السنہ المحمدیہ، مصر
۱۴ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغيب في النكاح: ۵۰۶۳
۱۵ صحیح بخاری: ۶۱۳۹، کتاب الادب، باب صنع الطعام والتكلف للضيف
۱۶ صحیح بخاری: ۱۱۵۰، كتاب التهجد، باب ما يكره من التشديد في العبادة
۱۷ صحیح بخاری: ۱۱۵۱ كتاب التهجد، باب ما يكره من التشديد في العبادة
۱۸ سورۃ الفرقان: ۶۷
۱۹ صحیح بخاری، كتاب النفقات، باب وجوب النفقة على الأهل و العيال
۲۰ شرح عقیدہ طحاویہ از محمد ابن ابی العز حنفی: ۲۹۸، طبع وزارت اوقاف، سعودی عرب ۱۴۱۸ھ
۲۱ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب ما يُكره من لعن شارب الخمر: ۶۷۸۰
۲۲ سنن ابوداود، کتاب الادب: ۴۹۰۱، صحیح کما قالہ الالبانی
۲۳ شرح عقیدہ طحاویہ از محمد ابن ابی العز حنفی: ص ۲۹۹
۲۵ التعليقات الأثرية على العقيدة الطحاوية از احمد زہرانی تحت قَوْلِه: وَلَا نُكَفِّرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ
۲۵ رفع الملام عن الأئمة الأعلام از علامہ ابن تیمیہ اور مجموع الفتاوی: ۲۰/ ۲۳۲
۲۶ شرح عقیدہ طحاویہ از محمد ابن ابی العز حنفی: ص ۵۰۴
۲۷ سنن ابن ماجہ: رقم ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۳۰۵۶
۲۸ التعليقات المختصرة على متن العقيدة الطحاوية از شیخ صالح فوزان: زیر متن مذکور
۲۹ شرح عقیدہ طحاویہ از محمد ابن ابی العز حنفی: ص ۳۶۵
۳۰ شرح عقیدہ طحاویہ از محمد ابن ابی العز حنفی: ص ۳۶۶
۳۱ صحيح البخاري: كِتَابُ الحَجِّ (بَابُ التَّهْجِيرِ بِالرَّوَاحِ يَوْمَ عَرَفَةَ)، رقم ۱۶۶۰
۳۲ صحيح البخاري: كِتَابُ الأَذَانِ (بَابُ إِمَامَةِ المَفْتُونِ وَالمُبْتَدِعِ)، رقم ۶۹۵
۳۳ صحيح البخاري: كِتَابُ الأَذَانِ (بَابُ إِذَا لَمْ يُتِمَّ الإِمَامُ وَأَتَمَّ مَنْ خَلْفَهُ)، رقم ۶۹۴